جنوبی وزیرستان میں فوجی آپریشن

حقائق اور مضمرات

ڈاکٹر محمد ساعد ○

وزیرستان قبائلی علاقہ جات کا سب سے جنوبی علاقہ ہے۔ یہاں وزیر' مسعود اور داوڑ قبائل آباد ہیں جن کی کل آبادی ۸ لاکھ ہے۔ انتظامی لحاظ سے اس کو شمالی اور جنوبی وزیرستان کی ایجنسیوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ میران شاہ' شمالی وزیرستان اور وانا' جنوبی وزیرستان کا صدر مقام ہے۔ چونکہ یہ علاقہ وفاق کے زیرانتظام ہے اس لیے امن وامان اور ترقیاتی منصوبوں کی ذمہ داری گورنر صوبہ سرحد کی ہے۔ وزیرستان کی سرحد ۲۶۰ کلومیٹر تک افغانستان سے ملتی ہے۔ سرحد کے مغرب میں افغانستان کا صوبہ پکتیکا واقع ہے جو انتہائی دشوار گزار پہاڑی علاقہ ہے۔ یہاں امریکی افواج کے خلاف زبردست مزاحمت جاری ہے۔ اب تک خوست' اُرزگان' شکین اور سروبی کے مقامات پر افغان مجاہدین کا مکمل قبضہ ہے۔

وزیرستان کے قبائل حریت پسند ہیں۔ وزیر اور مسعود قبائل ۱۸۵۰ء سے ۱۹۴۷ء تک انگریزی راج کے خلاف لڑتے رہے ہیں۔ ۱۸۵۲ء میں میجر نکلسن' ۱۸۶۰ء میں بریگیڈیر جنرل چیمبرلین' ۱۸۷۸ء میں کرنل بولیس راگن' ۱۸۸۱ء میں بریگیڈیر کینڈی کے زیرکمان قبائل کو دبانے کے لیے فوج کشی کی گئی لیکن ناکام رہی۔ ۱۸۹۷ء میں مُلا پاوندہ نے انگریز کی فارورڈ پالیسی کے

○ ممبر سینیٹ آف پاکستان۔ ڈائرکٹر جیوگرافیکل انفارمیشن سنٹر' پشاور

خلاف جہاد کا علم بلند کیا اور ایک طویل عرصے تک انگریزوں سے برسرپیکار رہے۔ مُلا پاوندہ کی وفات کے بعد مُلا فضل دین اور مُلا عبدالحکیم نے انگریزوں کے خلاف جہاد جاری رکھا۔ اس جہاد میں فقیر اپی نے بھی نمایاں کردار ادا کیا جو ۱۹۴۷ء تک تحریک جہاد کے قائد اور روح رواں رہے۔ انگریزی افواج جتنا عرصہ وزیرستان میں رہیں جہادی قوتوں نے ان کو آرام واطمینان سے رہنے نہیں دیا۔ وزیرستان پر مستقل قبضہ جمانے اور قبائل پر قابو پانے کی غرض سے انگریزوں نے یہاں بڑی تعداد میں چھاؤنیاں قائم کیں، جن میں دو ڈویژن فوج ہر وقت قیام پذیر رہتی تھی۔ اسی طرح میران شاہ اور رزمک میں ایرفورس کے بڑے اڈے تعمیر کیے گئے جن میں ایک ایک اسکوارڈن ایرفورس متعین رہتی تھی۔ غیرمنقسم ہندستان میں وزیرستان کمانڈ برطانوی دفاعی سسٹم کا ایک بہت اہم حصہ تھا جس پر کل ہندستان کے دفاعی بجٹ کا کثیر حصہ خرچ ہوتا تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ آزادی سے پہلے پاکستان کے کئی ایک اعلیٰ فوجی جرنیل بشمول ایوب خان اور یحییٰ خان وزیرستان کمانڈ میں تحریک مجاہدین کے خلاف آپریشن میں شریک رہے ہیں۔ اِن ''نوآبادِیاتی خدمات'' کے عوض ان کو ''تمغہ وزیرستان'' (Waziristan Medal) سے بھی نوازا گیا۔

تحریک آزادی میں سرحد کے قبائل نے جو خدمات سرانجام دی تھیں، ان کے اعتراف میں قائداعظمؒ نے قبائلی علاقہ جات سے فوج کو واپس بلایا۔ اُس وقت سے یہاں پرمکمل امن وامان رہا ہے۔ مقامی آبادی نے امن وامان اور ترقیاتی کاموں میں حکومت کے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے۔ ایسے وقت میں، جب کہ پاکستان اور افغانستان کے تعلقات بہت کشیدہ تھے اور وزیرستان کی سرحد پر افغانی فوج کی دراندازی روزمرہ کا معمول تھا، قبائلی عوام خود ان سرحدات کی حفاظت کرتے رہے اور پاکستانی فوج کو کبھی بھی مداخلت کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

افغانستان پر روسی حملے کے نتیجے میں افغان مہاجرین کی ایک بڑی تعداد غزنی اور پکتیکا کے علاقے سے ہجرت کر کے یہاں آباد ہوئی جو گذشتہ ۲۰ سال سے امن وامان کی زندگی گزار رہی ہے۔ یہ زیادہ تر خانہ بدوش ہیں اور گلہ بانی کا کام کرتے ہیں۔ اپنی بھیڑبکریوں کو چرانے کے لیے یہ افراد سردی کے موسم میں ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خان کے میدانی علاقے میں چلے جاتے ہیں۔ گرمیوں میں وزیرستان کی پہاڑی چراگاہوں میں آجاتے ہیں۔ افغان مہاجر گلہ بانی کے علاوہ

محنت مزدوری اور تجارتی کاروبار بھی کرتے ہیں۔

۹ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو جنوبی وزیرستان کے صدر مقام وانا سے ۵۰ کلومیٹر دور انگور اڈا کے قریب ایک بہت ہی افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ انگور اڈا سے چار کلومیٹر کے فاصلے پر چند گھروں پر مشتمل باغر گاؤں کی آبادی ہے۔ اس میں تین چار گھروں میں ۲۰ سال سے زیادہ عرصے سے سلیمان زئی قبیلے کے افغان مہاجر آباد ہیں۔ مرد جنگل کی کٹائی کا کام کرتے ہیں اور عورتیں اور بچے چیڑ کے درختوں سے چلغوزے اکٹھا کرتے ہیں۔ علی الصباح اس بستی کو مسلح افواج نے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ سارے راستوں میں رُکاوٹیں کھڑی کر دی گئیں۔ صرف خواتین اور بچے گھروں سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد ان پر پاکستانی فوج کے کمانڈوز، سکاؤٹ ملیشیا، خاصہ داروں اور ایف بی آئی کے کمانڈوز نے حملہ کیا۔ اس فوج کشی کو ۱۶ ہیلی کاپٹروں کی معاونت بھی حاصل تھی۔ پورے دن ان گھروں پر شدید گولہ باری کی گئی۔ جس کے نتیجے میں گھر مکمل طور پر تباہ ہوگئے۔ شام کے وقت تک یہ ہنستے خوشحال گھر ملبے کا ڈھیر تھے۔ ان سے ۱۸ مکینوں کی لاشیں نکالی گئیں، جب کہ ۲۲ افراد زندہ نکالے گئے۔ ان میں ۱۴ شدید زخمی تھے، جن کو طبی امداد فراہم کرنے کے بجائے ہتھکڑیاں پہنائی گئیں اور نامعلوم مقام پر منتقل کر دیے گئے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ مکینوں نے گھروں کے اندر نہ باہر کوئی مورچہ بندی کی تھی اور نہ ان کے پاس اپنے دفاع یا جوابی حملے کے لیے کوئی بھاری اسلحہ تھا۔ صرف روایتی بندوق اور کارتوس تھے جو کہ ہر ایک قبائلی اپنے گھر میں ذاتی حفاظت کے لیے رکھتا ہے۔

اس کارروائی میں جو افراد جاں بحق ہوئے فوجی ترجمان کے مطابق یہ ''القاعدہ کے مشتبہ ارکان'' تھے۔ یہ افسوس کی بات ہے کہ بے حد اصرار کے باوجود ان کے رشتے داروں کو مقتولین کی نماز جنازہ ادا کرنے اور دفنانے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ لاشوں کو ہیلی کاپٹروں سے نامعلوم مقام لے جایا گیا۔ مقامی باشندوں کا خیال ہے کہ یہ اس لیے کیا گیا کہ اگر مقتولین رشتے داروں کے ہاتھوں دفن ہوتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ غیر ملکی جنگجو افراد نہیں، بلکہ اپنی بستی کے مہاجر بھائی ہیں۔ فوجی ترجمان، جنرل شوکت سلطان نے خود اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ''دہشت گردوں کے بارے میں فوری طور پر نہیں بتایا جا سکتا کہ یہ کون ہیں''۔ اس خونی ڈرامے کو جس انداز سے کھیلا

گیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف بیرونی آقاؤں کو خوش کرنا اور اپنی وفاداری کا مظاہرہ کرنا تھا، ورنہ اگر کسی دہشت گرد کو گرفتار کرنا پیش نظر تھا تو اس کو رائج قبائلی قوانین کے تحت آسانی سے اور بغیر کسی مزاحمت اور خون خرابے کے قابو کیا جا سکتا تھا۔

اس بے جا قتل وغارت کے بعد حکومت نے مطالبہ کیا کہ جن قبائل نے افغان مہاجرین کو کرایے پر مکانات دیے ہیں ان کے ۱۲ افراد کو حکومت کے حوالے کیا جائے۔ اس کے نتیجے میں یارگل خیل، کارے خیل اور ڈسی خیل قبائل کی ہزاروں دوکانوں اور بے شمار پیٹرول پمپوں کو سیل کیا گیا۔ ان کی درجنوں گاڑیاں بھی قبضے میں لے لی گئیں۔ آپریشن کا دائرہ وسیع کر کے ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خان تک بڑھا دِیا گیا جو سراسر خلاف قانون تھا، اس لیے کہ فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن کا دائرہ اختیار صرف قبائلی علاقے تک محدود ہے۔ پکڑ دھکڑ کی یہ کارروائی تین ہفتے تک جاری رہی جس کے دوران بے شمار بے گناہ افراد کو گرفتار کیا گیا اور ان کی تجارت کو کروڑوں روپے کا نقصان ہوا۔

یہ آپریشن ایسے وقت میں کیا گیا جب قومی اسمبلی کا اجلاس جاری تھا۔ لہٰذا اُصولی طور پر اس کے لیے قومی اسمبلی کی منظوری لینا چاہیے تھی۔ متحدہ مجلس عمل کے اراکین پارلیمنٹ نے اس آپریشن کو غیر قانونی اور قومی وحدت کے منافی قرار دیا اور سرکاری ترجمان نے آپریشن کے متعلق جو حقائق پیش کیے تھے ان کو غیر تسلی بخش قرار دیا۔ حقائق معلوم کرنے کے لیے ایک پارلیمانی وفد تشکیل دیا گیا، جو وزیرستان جا کر موقع پر اس افسوسناک آپریشن کے متعلق حقائق معلوم کرتا لیکن جب یہ وفد ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو وزیرستان کی جنڈولہ چیک پوسٹ پہنچا تو اِسے ایجنسی کے حکام نے آگے جانے سے روک دِیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نہیں چاہتی کہ فوجی یلغار سے متعلق اصل حقائق منظر عام پر لائے جائیں۔

یہ بات وزیرستان میں ہر شخص کی زبان پر ہے کہ یہ آپریشن غیر ملکی اشارے پر کیا گیا ہے جس میں پاکستانی فوج اور دیگر ایجنسیوں کو امریکی مقاصد کے لیے برے طریقے سے استعمال کیا گیا ہے۔ اس آپریشن کے شمال مغربی سرحد کی دفاعی صورتِ حال پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ وزیرستان کے قبائل کے اعتماد کو جو ٹھیس پہنچی ہے اور ان کو جو مالی نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کیسے

ہوگی؟ وزیرستان میں اگر ریگولر آرمی کی تعیناتی کی ضرورت پڑی تو ملک کی سالمیت پر اس کے کیا اثرات پڑیں گے اور ملکی خزانے پر اس کا کتنا بوجھ پڑے گا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر سنجیدگی سے غوروفکر کی ضرورت ہے۔صاف بات ہے کہ پاکستانی فوج اور قبائل کے تصادم سے جو مسائل پیدا ہو رہے ہیں اور نفرت کی جو فضا جنم لے رہی ہے، امریکی حکومت کو اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ یہ اس کا مسئلہ نہیں۔ لیکن ہمارا تو ہونا چاہیے۔ امریکہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ وقتی طور پر جو معمولی فوجی ساز وسامان پاکستان کو مہیا کیا گیا ہے اُس کو القاعدہ اور طالبان کی گرفتاری میں استعمال کیا جائے اور جلد از جلد کوئی ٹھوس کارکردگی دکھائی جائے۔

ایک عرصے سے بھارت کی یہ خواہش رہی ہے کہ کشمیر میں کنٹرول لائن پر دباؤ کم کرنے کے لیے شمال مغربی سرحد پر پاکستانی فوج کے لیے ایک نیا فرنٹ کھولا جائے۔کوششِ بسیار کے باوجود وہ اس میں کامیاب نہیں ہوا تھا۔اس وقت امریکی دباؤ کے نتیجے میں تقریباً ۶۰ ہزار پاکستانی فوج، پاک افغان سرحد کو سیل کرنے کے لیے تعینات کی گئی ہے۔اس طرح افغانستان اور امریکہ کے تعاون سے بھارت کا یہ دیرینہ خواب بالآخر شرمندہ تعبیر ہو رہا ہے۔اس وقت وزیرستان آپریشن نے ملک کو ایک نئی اور سنگین دفاعی صورت حال سے دوچار کر دیا ہے جس سے نمٹنے کے لیے فوری اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔اس کے لیے لازم ہے کہ قبائلی علاقہ جات میں امریکہ کی ایما پر گھر گھر تلاشی اور ہر قسم کے فوجی آپریشن کو فوراً بند کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ تنازعات نوآبادیاتی دور کے ''گولہ بارود'' اور ''پکڑ دھکڑ'' کی پالیسی کے بجائے افہام و تفہیم سے طے کیے جائیں۔قبائل علاقہ جات میں محبّ وطن افراد کی کمی نہیں ہے۔ان کو اعتماد میں لے کر بہت سے مسائل پرامن طریقے سے حل کیے جاسکتے ہیں۔